ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کا بچّہ اپنے شکم میں لئے ہوتی ہے یا اس کی ولادت کے بعد اس کی پرورش کرتی ہے۔ اس لئے تا عقدِ ثانی وُہ ان رعایتوں کی مستحق ہے۔ والدین یا دوسرے اقربا نہ عدّت گزارتے ہیں نہ متوفی کے بچّے کو اپنے شکم یا گود میں لئے ہوتے ہیں اور نہ انھیں عقدِ ثانی کا کوئی انتظار کرنا ہوتا ہے۔ بس اگر وصیّت نہ ہونے کی شکل میں ان والدین و اقربہ کے لئے وصیت نافذ العمل نہ ہو سکے تو یہ کوئی ضرور نہیں کہ بیوہ کے حق میں بھی اسے نہ نافذ کیا جائے۔

خیارِ بلوغ

ہم نے جنوری کے "ثقافت" میں (صفحہ ۲۵ پر) ان خرابیوں کا نمبروار ذکر کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ اس کے ضمن میں خیارِ بلوغ کا بھی ذکر ہے۔ ہمیں یہاں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ کمسنی کی شادی کا سدِ باب ہونے کے بعد (جس کا صفحہ ۵ پر ذکر ہے) خیارِ بلوغ کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ ہم نے بالکل مخصوص حالات میں استثنا کی گنجائش بھی رکھی ہے اس لئے وہاں قدرۃً خیارِ بلوغ کا معاملہ سامنے آجاتا ہے۔ لہٰذا ایسے استثنائی حالات کے لئے اس مسئلے کی کچھ وضاحت اور اس کے لئے قانونی تجاویز کی بھی ضرورت ہے۔

خیارِ بلوغ سے مراد فسخِ نکاح کا وہ اختیار ہے جو نابالغ کو بالغ ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

حنفی فقہ میں نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح باپ یا دادا بھی کر سکتا ہے اور دُوسرے اولیا بھی لیکن فرق یہ ہے کہ اگر باپ یا دادا کر دے تو یہ نکاح ہر حال میں نافذ ہوگا حتیٰ کہ:۔

ولو کان ذلك من غیر کفوءٍ او کان بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ او قلۃ مھرھا لان شفقتھما علی الصغار فوق شفقۃ جمیع الاجانب والاقارب۔

(عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا عبدالحی)

اگر یہ نکاح غیر کفو میں ہوا ہو، یا لڑکے کے مہر میں زیادتی اور لڑکی کے مہر میں کمی کر کے غبن فاحش کا ارتکاب ہوا ہو۔ جب بھی نکاح نافذ رہے گا، کیونکہ چھوٹوں پر باپ اور دادا کی عنایت دوسرے رشتے داروں اور بیگانوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایسے نکاح کو لڑکی بالغ ہو کر بھی فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ ہاں اگر کوئی دوسرا ولی نابالغی میں نکاح کر دے تو اسے بالغ ہو کر فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن یہ اختیار کس طرح کا ہے اسے بھی سُن لیجئے:

وفی غیرھما فسخ الصغیران حین بلغا او علما بالنکاح بعدہ وسکوت البکر رضاء ولا یمتد خیارھا الی اخر المجلس ان جھلت بہ وخیار الغلام والثیب لا یبطل بلا رضاء صریح او دلالتہ ولا بقیا مھما عن المجلس وشرط

القضاء لفسخ من بلغ ۔ (وقایہ)

باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے تو بالغ ہوتے ہی یا علم نکاح ہوتے ہی وہ فسخ نکاح کر سکتے ہیں ۔ باکرہ کا سکوت اس مسئلے میں مرادف رضا ہے۔ اس کا اختیارِ فسخ آخر مجلس تک قائم نہیں رہتا خواہ وہ اپنے اس اختیار سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں لڑکے اور ثیبہ[1] کا خیار بلوغ اس وقت ختم ہو جائیگا جب وہ صراحۃً یا دلالۃً اس نکاح پر راضی ہونے کا اظہار کردیں صرف مجلس بدلنے سے یہ خیار ختم نہیں ہوگا اور اس فسخ کے لئے قاضی کا فیصلہ بھی ضروری ہے ۔

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ آسان لفظوں میں یوں ہے :

(۱) باپ یا دادا اپنی نابالغ لڑکی کا اور لڑکے کا بھی نکاح کر سکتا ہے ۔

(۲) اور یہ نکاح بہرصورت نافذ رہے گا ۔

(۳) اگر یہ کوئی ظلم مثلاً غبن فاحش (مہر کی زیادتی و کمی) بھی کریں اور غیر کفو میں بیاہ دیں جب بھی نکاح نافذ رہے گا کیونکہ باپ یا دادا پر یہ اعتماد ہے کہ وہ اپنی اولاد خرد پر مہربان ہی ہوتا ہے ۔

(۴) نابالغہ کو (اور نابالغ کو بھی) بالغ ہونے کے بعد یہ نکاح فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ۔

(۵) اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکی کا نکاح کردے تو اسے فسخ کرنے کا اختیار اسی لمحے تک رہتا ہے جس میں اسے اپنے بلوغ یا نکاح کا علم ہو یعنی اگر نکاح کا پہلے سے علم ہو تو بالغ ہوتے ہی نکاح فسخ کردے اور اگر بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہوا ہو تو یہ علم ہوتے ہی فسخ کردے ۔

(۶) اگر علم بلوغ یا علم نکاح ہوتے ہی اس نے فوراً ہی نکاح فسخ نہ کیا اور ایک لمحہ بھی خاموش رہی تو یہ خاموشی رضا سمجھی جائیگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح اذنِ نکاح لیتے وقت بالغہ کی خاموشی رضا ہوتی ہے ۔

(۷) یہ خیارِ فسخ زمان کی طرح اسی مکان میں رہتا ہے۔ جس میں علم بلوغ یا علم نکاح ہوا ہو۔ گویا علم بلوغ یا علم نکاح ہو ایک کمرے میں اور وہ اپنے فسخ کی اطلاع دینے جائے دوسرے کمرے میں، تو مجلس بدل جانے سے اس کا خیارِ فسخ بھی ختم ہو جائیگا ۔

(۸) اگر اسے ان نازک مسائل سے واقفیت نہ ہو جب بھی ایک لمحہ گزر جانے یا دو قدم چلنے سے اس کا اختیارِ فسخ ختم ہو جائیگا ۔

(۹) لڑکے یا ثیبہ کو بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے ۔ وقت گزرنے یا جگہ بدلنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

(۱۰) ہاں اگر وہ بالغ ہونے کے بعد زبان سے کہہ دیں کہ ہمیں یہ نکاح منظور ہے یا قوی قرینے سے معلوم ہو جائے کہ یہ نکاح پر راضی ہیں تو اسی وقت نکاح فسخ کرنے کا اختیار ختم ہو جائیگا ۔

(۱۱) نکاح فسخ ہونے کے وہ تمام اختیارات (جن کی تفصیل ابھی آپ پڑھ چکے ہیں) اس وقت تک معلق رہیں گے جب تک قاضی

---

[1] ثیبہ سے مراد وہ ہے جس کی بکارت زائل ہو چکی ہو یہاں وہ ثیبہ مراد ہے جو قبل از بلوغ ہی کسی طرح ثیبہ ہو گئی ہو ۔

فیصلہ نہ دے یعنی فرض کیجئے ایک نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کر دیا تو اسے فسخ کرنے کی شکل صرف یوں ہو گی پہلے تو وہ علامتِ بلوغ دیکھتے ہی جہاں اور جس حالت میں ہے اسی وقت زبان سے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کر دیا پھر وہ اور جن لوگوں کے سامنے اس نے فسخ نکاح کا اظہار کیا ہے وہ بھی قاضی کے سامنے اپنے اپنے بیان دیں گے۔ اس کے بعد قاضی فیصلہ دے گا کہ ہاں یہ نکاح فسخ ہو گیا۔ قاضی کے فیصلے تک یہ اختیارِ فسخ گویا معلق رہے گا۔ یہ اختیارِ فسخ بھی اسی صورت میں ہے جبکہ باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح کرا دیا ہو۔ اگر باپ دادا نے کرایا ہو تو اختیارِ فسخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ان تفصیلات کی بجائے ہمارے خیال میں صاف صاف یہ کہہ دینا زیادہ بہتر تھا کہ نابالغی کا نکاح فسخ ہی نہیں ہو سکتا۔

لطیفہ: مشہور ہے کہ کوئی مولانا پلصراط پر سے گزرنے کی دشواریاں بیان فرما رہے تھے کہ وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے اور ذرا اِدھر اُدھر ہونے سے آدمی جہنم میں گر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک سرحدی پٹھان یہ تفصیلات سننے کے بعد کہنے لگا کہ: تو تم صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتا کہ رستہ بند ہے؟

دلچسپ دروغ: فرض کیجئے کہ ایسی نابالغہ کو شب کے وقت یا کسی ایسے موقعے پر جہاں نہ اعلان مناسب ہو نہ کسی کو گواہ بنانا ناممکن ہو (مثلاً حمام یا بیت الخلا وغیرہ میں) اپنے بلوغ کا علم ہو تو ظاہر ہے کہ صبح ہونے یا اس جگہ سے باہر آنے تک اس کا خیارِ فسخ ختم ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کا علاج بھی سُن لیجئے:

وعلی هذا قالوا ینبغی ان تطلب مع رؤیة الدم فان رات لیلا تطلب بلسانها فتقول فسخت نکاحی وتشهد اذا اصبحت وتقول رایت الدم الآن۔ قیل لمحمد کیف یصح هذا وهو کذب فقال لا تصدق فی الاشهاد فجاز لها ان تکذب کیلا یبطل حقها۔ (عمدۃ الرعایہ)

اس بنا پر فقہا کہتے ہیں کہ خون (علامت بلوغ) دیکھنے کے ساتھ ہی وہ اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالے۔ لہٰذا اگر اس نے شب کو خون دیکھا ہو تو اپنی خواہش فسخ کا اظہار کر دے یعنی اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا اور جب صبح ہو جائے تو یوں گواہی دے کہ (شب کو نہیں بلکہ) ابھی ابھی میں نے علامتِ بلوغ دیکھی ہے۔ امام محمد سے پوچھا گیا کہ لڑکی کی یہ گواہی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ یہ ایک جھوٹ ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس شہادت میں تو وہ سچی نہیں لیکن یہ جھوٹ اس کے لئے اس وجہ سے جائز ہے کہ اس کا حق (خیارِ فسخ) ضائع نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جس لڑکی کا نکاح نابالغی میں ہوا ہو اسے جھوٹ بولنے کی تو اجازت ہے لیکن مستقبل کے متعلق سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ بس اتنی اجازت ہے کہ علامت بلوغ ہوتے ہی اسی حال میں اور اسی آن اپنی زبان سے اعلانِ فسخ کر کے کسی کو گواہ بنا لے پھر بھی نکاح فسخ نہ ہو گا، بلکہ معلق رہے گا۔ جب وہ قاضی سے مطالبہ کریگی تو قاضی

اس فسخ کا فیصلہ دے گا۔ اور اگر لڑکی اس مسئلے کی نزاکت کا کوئی علم نہ رکھتی ہو جب بھی ایک منٹ گزر جانا یا دو قدم چلنا اس کی رضا سمجھا جائے گا اور فسخ نکاح کا اختیار ختم ہو جائیگا ــــــ

یہ ہیں وہ حقوق جو عورتوں کو ہماری فقہ میں دیئے گئے ہیں۔ کسی خاص دور میں تو یہ قانون درست ہو سکتا تھا جبکہ باپ دادا کی شفقت قابلِ اعتماد ہو۔ لیکن آج اسے باقی رکھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ باپ دادا اپنی اولاد کی تجارت کرنا کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کسی لڑکی کو اپنے اس اختیار کا نہ علم ہوتا ہے نہ اسے اس کا علم ہونے دیا جاتا ہے۔ اگر اسے معلوم بھی ہو تو مجبوراً نہ حیا اور انداز معاشرت نے اس کے اختیار کو مہرِ سکوت سے بدل دیا ہے۔ ہمارے پاس نکاح و طلاق وغیرہ کے سینکڑوں استفتے اور مقدمات آئے ہیں لیکن آج تک ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہو سکا کہ کسی لڑکی نے علامت بلوغ دیکھتے ہی اسی آن فسخ نکاح کا اعلان کر دیا ہو۔ کسی کتاب میں بھی ایسا کوئی واقعہ میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی قسم کا اختیار دیا گیا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا امکان ایک فیصد بھی نہیں۔ گویا اختیار دیکر اسے سلب نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک ایسا اختیار دیا گیا ہے جو پہلے ہی سے سلب شدہ ہے۔

اس لئے نابالغی کی شادی کی صورت میں لڑکی کو یہ اختیار رہنا چاہیئے کہ بعد از بلوغ ایک سال (یا جو مناسب مدت سمجھی جائے) کے اندر نکاح کو فسخ کر سکے۔

اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں کیونکہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اس کی حیثیت ایک ایسی شرط کی ہو جائیگی جس کا شرائط نامۂ نکاح میں لکھوانا اسی طرح جائز ہے جس طرح تفویض طلاق لکھوالینا۔

الدین یسر مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ جو لوگ اسلام کو بے جا دشوار اور ناممکن العمل سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کو ہماری غلطیوں نے ایک مصیبت بنا دیا ہے ورنہ حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دین آسان سی چیز ہے۔ بہت سے مسائل اس میں ایسے آگئے ہیں، جو اب تک اُلجھے ہوئے تھے۔ اور ان پر تفصیل سے عقلی و نقلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت چھ روپے)

ریاض السنۃ تقریباً چھ سو صفحات کی یہ کتاب ان احادیث کا منتخب مجموعہ ہے جس میں ترقی پسندانہ احادیث کے علاوہ ان احادیث کو بھی جمع کیا گیا ہے جن میں توسع و تیسر ہے۔ ادبی مرقعے ہیں۔ اور فقہ کی تشکیل جدید میں بڑی معاونت کرینگے۔ ہر حدیث کی الگ سُرخی اور سامنے اس کا سلیس ترجمہ ہے۔ یہ مجموعہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ اور بے مثل انتخاب ہے۔ قیمت آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ: سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)

محمد حنیف ندوی

غزالی کی مشہور کتاب
المنقذ من الضلال
کی تلخیص

غزالی کی سرگزشتِ انقلاب

(۴)

مذہب تعلیم اور اس کی فتنہ سامانیاں

تعلیمیہ ایک فرقہ کا نام ہے اسے باطنیہ مزدکیہ اور قرامطہ بھی کہتے ہیں - جناب اسمٰعیل بن جعفر الصادق کی طرف منسوب ہے - واضح نصوص اور مسلمہ عقائد و افکار کی سمتوں کو سب سے پہلے انھوں نے ہی بدلنے کی کوشش کی ان کا اصول تھا کہ کسی ظاہر کو بھی اس کے اصلی معنی پر محمول نہیں کرنا چاہیئے - کیونکہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے - اور ہر حکم تاویل کا مقتضی ہے - اوّل اوّل اس کی حیثیت ایک مذہبی انداز کے فرقے کی رہی - پھر اس پر سیاسی رنگ چھایا - اور اس کے ماننے والوں نے امام معصوم کے نام سے ایک نئی خفیہ سیاسی تنظیم کی طرح ڈالی - نظام الملک یہ جانتا تھا - کہ اگر ان کے عقائد کو فروغ پانے کے مواقع ملے، تو اس سے اہل السنّت کے سیاسی اقتدار کی بنیادیں ہل جائینگی - اس خطرہ کے پیشِ نظر اس نے غزالی کو ان کی موثر تردید پر آمادہ کیا - یہ تجویز اتنی معقول اور برمحل تھی، کہ غزالی اس کے لئے تیار ہو گئے، اور اپنی تصنیفات میں جابجا ان کے مزخرفات باطلہ کی تفصیل سے تردید کرنا شروع کی - نظام الملک کی اس خواہش کا ذکر انہوں نے اس مضمون میں کیا ہے - اور بتایا کہ اگرچہ اس خواہش کا اظہار حکومت کی طرف سے ہوا تاہم اس میں ان کی اپنی خواہش کی ترجمانی بھی تھی -

عقل کی واماندگی: میں جب علوم فلسفہ پر غور و خوض کر چکا اور ان میں جو مغالطے پنہاں ہیں ان کی تردید سے فرصت پا چکا - تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے نصب العین کے لحاظ سے یہ کافی نہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں تک عقل کی رسائیوں کا تعلق ہے، اس کی واماندگی کا یہ حال ہے کہ تمام مطالب کا یہ احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ تمام پیچیدگیوں کو دور کر سکے - انہی زمانے میں تعلیمیہ کے ارباب فہم کا چرچا ہوا - اور ان کے ذریعہ یہ بات مشہور ہوئی کہ امام معصوم کے طفیل حقائق امور پر مطلع ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ امام معصوم ایسی ذات ہے کہ جس کا براہِ راست حضرت حق سے تعلق ہے - میرے دل میں اس شوق نے کروٹ لی کہ ان کے مذہب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے - اور ان کی کتابیں پڑھنا چاہئیں - حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ دار الخلافہ سے میرے نام اس مضمون کا حکمنامہ پہنچا کہ میں ان کے معتقدات پر ایک کتاب لکھوں - جس میں کہ ان کے مذہب کی پردہ کشائی کی گئی ہو - یہ حکم ایسا تھا کہ بجز ماننے کے چارہ نہ تھا کیونکہ دل میں پہلے سے اس طرح کا داعیہ ابھر چکا تھا یہ خارجی ترغیب گویا اس دبی خواہش کا ضمیمہ ثابت ہوئی -

اَب میں نے ان کی کتابوں اور مقالوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور ان عجیب و غریب اور بالکل اچھوتے کلمات پر بھی نظر ڈالی جو ان کے بزرگانِ سلف سے منقول نہ تھے، بلکہ صرف ہمارے زمانے کے اہلِ علم کے طبع زاد تھے۔ میں نے ان کو ایک خاص ترتیب اور سلیقہ سے پیش کیا اور پھر ان کی پوری پوری تردید کی۔

امام احمد بن حنبل کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض اہلِ حق نے جب میری اِس محنت و کاوش کو دیکھا تو معترض ہوئے۔ کہنے لگے کہ تم نے ان کے شبہات و دلائل کو اس طرح سجایا ہے کہ خود باطنیہ بھی چاہتے تو ایسا نہ کرپاتے۔ ان کا یہ اعتراض ایک لحاظ سے بجا تھا۔ کیونکہ جب حارث محاسبی معتزلہ کی تردید میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے تو امام احمد بن حنبلؒ نے ان پر اسی قسم کا اعتراض کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ درست ہے کہ بدعات کی تردید ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر تمہارا اندازِ جواب میں یہ ہے کہ پہلے تم ان کے شبہات و دلائل کھول کر بیان کرو، پھر ان کی اپنے رنگ میں تردید کرو۔ تو اس میں دو طرح کے احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ پڑھنے والا ان شبہات سے نسبتہً زیادہ متاثر ہو۔ اور تمہاری تردید پر نظر ہی نہ ڈالے، یا اگر نظر ڈالے تو اس کو سمجھ نہ پائے اور شبہات اس کے دل میں جم جائیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ اعتراض درست ہے، مگر صرف ان شبہات کے بارہ میں جو مشتہر نہیں ہیں۔ لیکن جب ایک شبہ پھیل جائے اور شہرت حاصل کرلے تو اس کا جواب دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ اور جواب سے اُس وقت تک عہدہ برا ہونا ممکن ہی نہیں جب تک کہ ان کے شبہات کو جوں کا توں نقل نہ کیا جائے۔ ہاں اسقدر احتیاط البتہ ہونا چاہیئے، کہ ان کے شبہات کو سجا کر بیان نہ کیا جائے اور نہ بتکلف شبہات پیدا کرنے کی کوشش ہی کی جائے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ میں نے انکے شبہات کی جو تفصیل ذکر کی ہے۔ اس کی وجہ میرے ایک دوست کا ان شبہات کو بیان کرنا ہے۔ جو پہلے فرقہ تعلیمیہ میں رہ چکا ہے۔ پھر یہ میرے ساتھ وابستہ ہوگیا۔ یہ ان کے شبہات و اعتراضات کو اکثر مجھ تک من وعن پہنچاتا۔ اور کہتا کہ بعض جوابات کا تو یہ مضحکہ اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ انھوں نے ہماری دلیل پر غور ہی نہیں کیا۔ اس وقت سے میں نے یہ التزام کرلیا ہے، کہ پہلے ان کے اعتراضات نقل کرتا ہوں اور پھر اس کا جواب دیتا ہوں تاکہ میرے متعلق بھی یہ نہ کہا جائے کہ میں ان کے اعتراض کو سمجھا نہیں۔ غرض یہ ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ مقدور بھر انکے شبہ کی اہمیت کو واضح کردوں اور پھر اچھی طرح اس کے بگاڑ اور فساد کی نشاندہی کردوں۔

مخالف کی بھی صحیح بات مان لینا چاہیئے

میری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر نادان دوستوں کی احمقانہ نصرتِ دین آڑے نہ آتی، تو ان کا مذہب ایسا لاطائل اور بے معنی تھا، کہ اس کو قطعاً یہ فروغ حاصل نہ ہوتا۔ ان کی بیجا ضد و تعصب نے تعلیمیہ کی پھیلائی ہوئی بدعات کو قبولِ عام کا درجہ دیا۔ ورنہ فی نفسہٖ وہ بہت کمزور اور بودی تھیں انھوں نے اس نزاع اور جھگڑے کو یہاں تک طول دیا کہ انکی ہر ہر بات کو بلاضرورت جھٹلایا۔ اگر

بلاشبہ دُنیا کو ایک امام معصوم کی ضرورت و احتیاج ہے مگر وہ امام معصوم خود آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔

انھوں نے کہا کہ دُنیا کو ایک مخصوص تعلیم اور تعیین معلم کی ضرورت ہے تو انھوں نے کہا ہرگز نہیں۔ پھر جب انھوں نے کہا کہ روحانی امور کی تلقین کے لئے معمولی درجہ کا معلم کافی نہیں۔ بلکہ ایسا معلم درکار ہے جو معصوم ہو تو انھوں نے حسبِ معمول جواب میں انکار کیا۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو تعلیم و معلم کا فلسفہ قوی نظر آیا اور جواب غیر شافی۔ مزید برآں اس سے

لوگوں کے دلوں میں یہ غلط خیال بیٹھ گیا کہ تعلیمیہ کا مسلک قوی ہے اور انکے مخالفین کا کمزور ہے۔ یہ خود یہ نہ جان پائے کہ ایسا کیوں ہوا یہ سوئے ظن محض اس بنا پر دلوں میں ابھرا کہ حق کی حمایت جس انداز پر کی گئی وہ نامناسب تھا۔ صحیح طریق یہ تھا۔ کہ یہ بات ان لوگوں کی بغیر کسی جھگڑے کے مان لی جاتی کہ دنیا کو بلاشبہ ایک معصوم تعلیم اور ایک پاکیزہ معلم کی حاجت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کہا جاتا، کہ ہم جس معلم معصوم کو مانتے ہیں وہ آنحضرت کی ذات گرامی ہے۔ اس پر اگر وہ کہیں، کہ حضور کا تو انتقال ہو چکا۔ ہم کہینگے کہ آپ کا امام بھی تو نظروں سے اوجھل ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہمارے معلم نے تو بہت سے دعاۃ کو تعلیم دے کر اطراف واکناف عالم میں پھیلا دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی اشکال پیش آئے تو آکر مجھ سے دریافت کر لو، میں تمہارا منتظر ہوں۔ ہم کہینگے کہ ہمارے معلم برحق نے بھی اللہ کی طرف بلانے والوں کی ایک جماعت تیار کی ہے اور دین کو مکمل کر دیا ہے جس کے ثبوت میں یہ آیت ہے:-

الیوم اکملت لکم دینکم ۔ یعنی میں نے آج تمہارے دین کی تکمیل کر دی ۔

لہٰذا اگر تکمیل دعوت کے بعد معلم کا انتقال ہو گیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح کہ امام معصوم کی غیر حاضری آپ کے حق میں مضرت رساں نہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ جن باتوں میں کوئی نص منقول نہیں انکے بارے میں تم فیصلہ کیونکر کرتے ہو۔ ظاہر ہے یہ فیصلہ نص کے مطابق تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نص تو موجود ہی نہیں۔ اور اگر قیاس و رائے سے ہوگا تو ہمیشہ خطا و لغزش کا امکان رہیگا۔ ہم کہینگے کہ ہم اس صورت میں وہی کرینگے۔ جو حضرت معاذ نے اس وقت کیا جب ان کو دعوت کے لئے یمن بھیجا گیا۔ کہ اگر نص میسر آگئی تو فیصلہ کی بنیاد اس پر رکھی۔ ورنہ اجتہاد و رائے پر اکتفا کیا ۔ یہی صورت تمہارے دعاۃ کو بھی پیش آتی ہے جب وہ امام معصوم سے جدا ہو کر دور دراز ملکوں میں جاتے ہیں کہ نص و اجتہاد میں سے کونسی راہ اختیار کریں۔ کیونکہ امام کی ہدایات و نصوص تو بہر حال محدود ہونگی، اور وقائع و حالات میں ایسی رنگارنگی اور تعدد ہے کہ کوئی مجموعہ احکام بھی ان کو بیان کرنے کیلئے کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے لامحالہ اجتہاد و قیاس ہی کی طرف رجوع ہونا پڑیگا۔ سبب ظاہر ہے کہ یہ تو ہونے سے رہا، کہ ایک ایک مسئلہ کیلئے مبلغ امام کے شہر میں حاضری دے اور بالمشافہ ان سے ہدایات حاصل کرے۔ علاوہ ازیں اس میں یہ خطرہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے جب تک وہ امام کے ہاں آکر مسئلہ دریافت کرے۔ اس وقت تک مستفتی کا انتقال ہو چکا ہو۔ اور مسئلہ اپنی افادیت ہی کھو دے۔ پھر یہ صورت بھی تو ممکن ہے، کہ ایک شخص جنگل میں ہو اور نماز کا وقت آپہنچے اسوقت وہ سمت قبلہ کی تعیین بجز قیاس و رائے کے کیونکر کر پائیگا۔ اسلئے اگر امام کے پاس خود حاضر ہوتا ہے، تو کئی نمازیں فوت ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا، کہ عند الضرورۃ قیاس و رائے پر عمل کرنا ہی قرین صواب ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ کہ جو اجتہاد میں خطا کرے اس کے لئے ایک نیکی ہے۔ اور جو مصیب ہو۔ اس کو دو دو نیکیاں ملینگی۔ ایک مطلق اجتہاد کی اور ایک اس کے ساتھ ساتھ صحت و حقیقت کو پا لینے کی۔ یہی حال تمام اجتہادیات کا ہے۔ کہ ان میں مظنہ صحت کا خیال رکھا جاتا ہے، مطلقاً صحت کا نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے کسی کو فقیر سمجھ کر مال دیا حالانکہ وہ فقیر و مفلس نہیں ہے۔ تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ اس نے تو اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق اس کو مستحق خیال کر کے ہی خیرات دی ہے۔

اس پر اگر یہ کہا جائے، کہ اچھا یہ بتائیے کہ اگر اس کے مخالف کا ظن یا اجتہاد اس کے مخالف ہو۔ تو کس ظن و اجتہاد کی پیروی

کریگا۔ ہم کہیں گے کہ ایسی صورت میں اس کو اپنے ہی ظن کی پیروی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ تعیین قبلہ میں اگر اختلاف رائے نمودار ہو تو یہ اپنے ہی ظن پر عمل درآمد کریگا۔ اگرچہ اس کے مخالف کی رائے دوسری ہو۔

اس توجیہ پر ان کا یہ اعتراض ہے، کہ مقلد کیوں اسکی پیروی نہیں کرتے، ان کا یہ حال ہے کہ کبھی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات مانتے ہیں کبھی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی، یا ان کے سوا دوسرے ائمہ فقہ کی، حالانکہ ان کو صرف اپنے قیاس اور گمان پر عمل کرنا چاہیئے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مقلدین کا وتیرہ بھی اس باب میں اس اختلاف رائے سے مختلف نہیں۔ جو تعیین قبلہ کے بارہ میں دو آدمیوں کے درمیان پیدا ہو۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ جس کو صحیح قبلہ کی تعیین کرنا ہے وہ اپنی ہی رائے پر عمل کریگا۔ کیونکہ وہ یہی تو دیکھیگا، کہ ان میں کون شخص زیادہ جاننے والا اور زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ اسلئے اس کی پیروی بھی گویا اپنے گمان وظن ہی کی پیروی ہوگی۔ بالکل یہی صورت حال مذاہب فقہیہ میں بھی ممکن ہے۔

جب انبیاء سے سہو ہو سکتا ہے انبیاء اور ائمہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ انسان سے رائے و اجتہاد کے معاملہ میں غلطی ہو سکتی ہے۔ تو ائمہ معصومین سے کیوں نہیں ؟ بہرحال اجتہاد پر جو آمادہ کیا ہے، تو اس بنا پر کہ شرعی و دینی ضرورت کا یہ تقاضا ہے، اور تو اور آنحضرتؐ نے اپنے متعلق بھی یہ ارشاد فرمایا :- انا احکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر۔ یعنی میں تو ظاہری قرائن کی بنا پر فیصلہ کرتا ہوں، دل کے اسرار کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے فیصلہ کی بنیاد گواہوں کی شہادت پر مبنی ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ گواہ جھوٹ بول رہے ہوں۔ یعنی اجتہاد و فیصلہ میں مجھ سے بھی بتقاضۂ بشری غلطی ہو سکتی ہے۔ غور فرمائیے کہ جب مجتہدات میں انبیاء کا یہ حال ہے تو دوسروں سے یہ توقع کب ہو سکتی ہے کہ وہ درجہ عصمت پر فائز ہوں۔

استدلال کے اس مرحلہ پر تعلیمیہ عموماً دو سوال پیش کرتے ہیں :۔

اول یہ کہ اجتہاد کی جو تدبیر آپ نے بتائی ہے، وہ اُمور اجتہادیہ کی حد تک تو بے شک صحیح ہے لیکن عقائد میں کیا کیجئے گا۔ ان میں تو مخطی کو معذور نہیں خیال کیا جاتا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ جہاں تک دین کے اصول و قواعد کا تعلق ہے وہ سب کتاب و سنّت میں مذکور ہیں۔ رہے امور متنازعہ فیہ تو ان کو بھی استنباط و استدلال کی ترازو سے تولا جا سکتا ہے، اس صحیح ترازو کے ممیزات کیا ہیں، اور کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے، کہ یہ ترازو لائق اعتماد ہے۔ اس کو ہم نے اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔ یہ پانچ قاعدے ہیں جن کو ملحوظ رکھنے سے عقائد کی ہر ہر گتھی کو سلجھانا ممکن ہے۔

اس پر ممکن ہے کوئی یہ کہہ بیٹھے، کہ جناب اگر مخالفین آپ کی اس ترازو یا کسوٹی ہی کو نہ مانیں تو

ہمارا جواب اس ایراد پر یہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ بشرطیکہ ان قاعدوں پر غور کر لیا جائے۔ اہلِ تعلیم تو اس پر یوں معترض نہیں ہو سکتے کہ ہم نے ان کو براہ راست قرآن سے مستنبط کیا ہے منطقی اس لئے اعتراض نہیں کر سکتے کہ یہ شرائط منطق کے عین موافق ہیں علی ہذا القیاس متکلمین کے لئے بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ کیونکہ یہ قواعد انھیں دلائل سے تعبیر ہیں جن کو وہ کلامیات میں عموماً